بہت خوب

مائل خیرآبادی

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بہت خوب

اگر کوئی تم سے کچھ پوچھے اور تم اُسے اچھّے لفظوں میں جواب دو تو سننے والے کا دل خوش ہو جاتا ہے۔ اچھّے لفظوں میں باتیں کرنے والوں سے لوگ محبّت کرنے لگتے ہیں۔ کیا تم نے وہ قصّہ نہیں سنا! کہ ایک بوڑھے باغبان نے اپنے اچھّے جوابوں سے ایک بادشاہ کو خوش کر دیا اور پھر ہزاروں کی رقم انعام میں حاصل کی۔ آیئے آج ہم تم کو وہی کہانی سُنائیں۔

ایک بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے مصاحب کو حکم دے رکھا تھا کہ اگر میں کسی کی بات سُن کر ''بہت خوب'' کہہ دوں تو اُسے ایک ہزار روپیوں کی تھیلی انعام میں دینا۔'' یہی بادشاہ ایک بار اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ شکار کو جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے ایک بوڑھے باغبان کو دیکھا، بوڑھا باغبان اپنی زمین میں پودے لگا رہا تھا۔ اُسے پودے لگاتے دیکھ کر بادشاہ نے اپنے مصاحبوں سے کہا ''دیکھو تو یہ باغبان کتنا بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس کی پلکیں تک سفید ہو چکی ہیں، لیکن اتنا لالچی ہے کہ اب بھی اُسے کمانے کی فکر ہے، کیا وہ ان پودوں کے پھل بھی کھا سکتا ہے۔ قبر میں تو پاؤں لٹکائے ہے۔''

بادشاہ کی زبان سے یہ سُنا تو مصاحبوں نے جواب دیا "حضور بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں۔"

"اچھا تو اس باغبان کو ہماری خدمت میں حاضر کرو۔ اُسے سمجھایا جائے کہ یہ بیکار کی محنت کیوں کرتا ہے؟"

بادشاہ کے حکم سے باغبان اس کے سامنے حاضر کیا گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا۔

"بڑے میاں! تمہاری عمر کیا ہے؟"

"حضور! میری عمر چوراسی سال کی ہے۔"

"تمہارا کیا اندازہ ہے، کتنے دن اور جیو گے؟"

"حضور! کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ موت کا وقت کوئی نہیں جانتا ویسے میرا اندازہ ہے کہ بس زیادہ سے زیادہ دو چار سال اور دُنیا کی ہوا کھا سکوں گا۔"

"اور تمہارے ان پودوں میں پھل کتنے دنوں میں آئیں گے؟"

"اِن پودوں میں دس سال کے بعد پھل آسکیں گے۔"

"تو پھر تم ان کو کیوں لگا رہے ہو جبکہ تم اِن کے پھل نہیں کھا سکو گے۔ یہ تو تمہارے لیے بیکار کی محنت ہے۔"

"حضور! اللہ کسی کی محنت کو بیکار نہیں کرتا، دیکھیے تو سرکار میرے بزرگوں نے جو پودے لگائے تھے ان کے پھل میں کھا رہا ہوں۔ اب جو پودے میں لگا رہا ہوں ان کے پھل میرے بچّے کھائیں گے۔ اللہ تعالےٰ کی دنیا میں سمجھدار لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔"

"بہت خوب!"

بادشاہ کی زبان سے "بہت خوب" نکلا تو اس کے درباری سمجھ گئے کہ اُسے بوڑھے باغبان کا جواب پسند آیا۔ جواب بھی بوڑھے نے بہت عمدہ دیا تھا۔ پسند

کیوں نہ آتا۔ اچھا تو مصاحب خاص نے ایک ہزار کی تھیلی بوڑھے باغبان کی طرف بڑھادی۔ بوڑھے باغبان نے ایک ہزار کی تھیلی لے کر بادشاہ سے کہا "حضور! میرے ہاتھوں کے لگائے ہوئے یہ پودے تو دس بارہ سال میں پھل دیں گے لیکن مجھے تو آج ہی ان کا پھل مل گیا۔"

"بہت خوب!" بادشاہ کو بوڑھے باغبان کا یہ جواب بھی پسند آیا۔ مصاحب خاص نے ایک تھیلی اور انعام میں دی۔ دوسری تھیلی پا کر بوڑھے باغبان نے عرض کیا "حضور والا! میرے یہ پودے تو سال میں ایک بار پھل دیں گے لیکن مجھے اسی وقت دوبارہ ان کا پھل مل گیا۔"

"بہت خوب!" بادشاہ کو بوڑھے باغبان کا یہ جواب بھی بہت پسند آیا۔ مصاحب خاص نے ایک تھیلی اور انعام میں دی۔ تیسری تھیلی لے کر بوڑھے نے کہا "میرے ہاتھوں کے لگائے ہوئے یہ پودے جب پھل دیں گے تو انہیں بازار لے جا کر بیچنا پڑے گا مجھے تو اس وقت گھر بیٹھے رقم مل رہی ہے۔"

"بہت خوب بہت خوب" بادشاہ کو بوڑھے باغبان کا یہ جواب اتنا اچھا لگا کہ دو بار اس نے "بہت خوب" کہا۔ مصاحب خاص نے اس بار دو تھیلیاں اُسے تھما دیں۔ بوڑھے نے ان تھیلیوں پر بھی قبضہ کیا اس کے بعد بولا "حضور! میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا تھا کہ جس ملک کا بادشاہ باغبانوں، کاشتکاروں اور کاریگروں کی قدر کرتا ہے۔ رعایا پر مہربان ہوتا ہے تو اس کے ملک میں رعایا بھی خوشحال رہتی ہے میں نے یہ بات کانوں سے سُنی تھی آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔"

"بہت خوب، بہت خوب، بہت خوب" بادشاہ بوڑھے کے اس جواب سے اتنا

یہ کہانی ہمارے چچا میاں نے ہم کو سُنائی تھی۔ ہم ان سے یہ پوچھنے گئے تھے
کہ چچا میاں! وہ خیرات کیسی ہوتی ہے "جو داہنے ہاتھ سے دی جائے اور بائیں
ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ ذرا اس کا مطلب سمجھائیے" چچا میاں نے یہی بات سمجھانے کیلیے
ہم کو ایک کہانی سُنائی تھی۔ کہانی اس طرح ہے :۔
کسی شہر میں ایک بہت مالدار آدمی رہتا تھا وہ مالدار آدمی روزہ اور نماز
کا بڑا پابند تھا۔ وہ حج بھی کر چکا تھا۔ ہر سال عید الاضحیٰ کے دن قربانی بھی کرتا تھا
رمضان شریف میں زکوٰۃ نکالا کرتا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اس سے دو چار
روپیہ تو بڑی چیز ہے، دو چار پیسے مانگنے جاتا تو صاف انکار کر دیتا۔ شہر میں
کسی بے کس اور لاوارث شخص کی موت ہو جاتی اور اس کے کفن دفن کے لیے چندہ کیا
جاتا تو وہ مالدار آدمی پھوٹی کوڑی بھی چندے میں نہ دیتا۔ کوئی مسافر مسجد میں
آتا اور مدد کے لیے لوگوں کو پکارتا تو دینو دھوبی اور رحمٰن شیخ کے گھر سے
تو دو چار پیسے آجاتے مگر وہ مالدار آدمی کچھ نہ دیتا۔ ایک بار تو اس نے بڑا ہی
غضب ڈھایا۔ خود اسی کے محلّے میں ایک یتیم لڑکی کی شادی لوگوں نے ایک جگہ طے
کرائی اور پھر سب نے مل کر پانچ سو کی رقم جمع کی۔ کوئی گھر ایسا نہ بچا جو اس

لڑکی کی شادی کرانے میں دلچسپی نہ لے رہا تھا اگر دلچسپی نہیں لی تو اس مالدار شخص نے جو بڑا نمازی، روزہ دار، زکوٰۃ دینے والا اور حاجی تھا۔ محلّے کے چار چھ بڑے بوڑھے اس کے پاس گئے۔ ان کا خیال تھا۔ "نہ سہی کبھی اس مالدار شخص نے کسی کو کچھ نہیں دیا لیکن یہ محلہ کا معاملہ ہے اور یتیم لڑکی کی نسبت ہے اس میں وہ سو دو سو روپیہ ضرور دے گا" لیکن جب انہی چار چھ بوڑھے اور بزرگ لوگوں نے اس سے کہا تو اس نے صاف کہہ دیا کہ میں نہیں دے سکوں گا۔

اس کے انکار کرنے پر لوگ دنگ رہ گئے۔ آپس میں کہنے لگے ایسا دیندار مالدار تو کہیں دیکھا نہ سنا۔ اللہ نے اتنا دیا ہے اور پھر دیندار بھی بنتا ہے۔ نماز کا حال یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ بھی نہیں چھوڑتا۔ جماعت سے نماز پڑھتا ہے لیکن پیسہ ایسا دانتوں سے پکڑتا ہے کہ مجال نہیں کوئی خدا کی راہ میں اس سے کچھ پا سکے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ زکوٰۃ کس دل سے دیتا ہے۔

اس یتیم لڑکی کی شادی کے موقع پر وہ مالدار شخص بہت ہی بدنام ہوا اور لوگوں نے اس کی غیبت میں اسے بہت برا بھلا بھی کہا" کس کام کی اس کی نماز جب یتیم کو دھکے دے کر نکال دیتا ہے"۔ مشہور تھا کہ کسی فقیر نے کبھی اس کے دروازے سے بھیک نہیں پائی۔ فقیروں نے اس کے دروازے پر جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔

اسی شہر میں ایک اور شخص رہتا تھا۔ یہ زیادہ مالدار تو نہ تھا بس زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کھاتا پیتا آدمی تھا۔ وہ اتنا مالدار بھی نہ تھا کہ حج کر سکتا لیکن یہ ضرور تھا کہ خیرات میں بڑھ چڑھ کر

حصّہ لیتا۔ کوئی فقیر اس کے در سے خالی ہاتھ واپس نہ ہوتا۔ جہاں کہیں سنتا، کوئی لاوارث مر گیا جھٹ پہنچتا اس کے کفن دفن کا انتظام کرتا۔ سن پاتا۔ کوئی مسافر مسجد میں آکر ٹھہرا ہے۔ اس کے کھانے پینے کے لیے سامان لے جاتا اور کچھ رقم بھی دیتا۔ بہت سے غریب بچّوں کی فیس دیا کرتا ان کو کتابیں خرید وا دیتا اور اس یتیم لڑکی کی شادی کے موقع پر اگر وہ تین سو روپیہ نہ دیتا تو پانچ سو کی رقم جمع نہ ہوتی اور پھر اس یتیم کو اتنا جہیز نہ مل پاتا جتنا کہ اُسے ملا۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر یہ شخص اتنی زیادہ خیرات نہ کرے تو ایک سال میں اتنا ضرور بچالے گا کہ حج کر سکتا ہے۔ کچھ دوستوں نے اُسے مشورہ بھی دیا کہ فرض ادا کرنے کے لیے نفل عبادتوں یعنی صدقہ اور خیرات میں کمی کر دو اور جا کر حج کر آؤ لیکن اس نے سُنی ان سُنی کر دی۔

لوگ اُس بڑے مالدار شخص کے مقابلے میں اِس کی بڑی عزت کرتے۔ یہ جہاں جاتا لوگ آنکھوں پر بٹھاتے۔ اِس کی تعریف کرتے۔ دعائیں دیتے۔

اب سنیے، وہ بڑا مالدار آدمی بیمار پڑا۔ لوگ اُس سے خوش تو نہ تھے لیکن چونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیمار کی عیادت کی تاکید فرمائی ہے اس لیے ثواب کی نیّت سے لوگ اس کا حال پوچھنے جاتے۔ لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُس چھوٹے مالدار آدمی کو لوگوں نے اس بڑے مالدار کی خدمت کرتے دیکھا کسی کسی نے تو منھ پر کہہ دیا کہ آدمی ہو تو ایسا جو ایسے کنجوس کی خدمت سے بھی باز نہیں آتا ــــ

مہینہ ڈیڑھ مہینہ بیمار رہنے کے بعد وہ بڑا مالدار آدمی مر گیا۔ لوگ

ایک بادشاہ
اور
ایک فقیر

ایک بادشاہ تھا۔ اس کا نام تھا ہارون رشید۔ ہارون رشید اپنے زمانے کا سب سے بڑا بادشاہ گزرا ہے۔ ہارون رشید کو اللہ نے بڑی نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ ہارون رشید کبھی کبھی اپنی حکومت اور اپنی دولت پر فخر کیا کرتا تھا۔

ایک بار ہارون رشید شکار کو چلا۔ اس کے ساتھ اس کا مشہور درباری ابراہیم بھی تھا اور ساتھ ہی ایک چھوٹا سا لشکر بھی۔ ہارون رشید شہر سے نکلا۔ ایک جنگل کے قریب پہنچا۔ جنگل کے قریب پہنچ کر اس نے ابراہیم سے پوچھا:۔

ہارون رشید:۔ "کیوں ابراہیم! وہ کون سی نعمت ہے اور وہ کونسی خوشی ہے جو مجھے نہ ملی ہو؟"

ابراہیم: "حضور، ہر نعمت اور ہر خوشی آپ کو حاصل ہے۔"

ابراہیم کے یہ کہتے ہی ایک جھاڑی سے آواز آئی۔

آواز :- "تم دونوں نادان ہو۔ تم جانتے ہی نہیں کہ سچّی خوشی کسے کہتے ہیں؟"

یہ آواز سُن کر ہارون رشید اور ابراہیم دونوں چونک پڑے۔ جھاڑی کی طرف دیکھا تو اس کے اندر ایک ایسے شخص کو بیٹھے پایا جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اُسے دیکھ کر ابراہیم نے کہا۔ "حضور! کوئی پاگل آدمی ہے۔"

ابراہیم کی اس بات پر پھر جھاڑی سے آواز آئی۔ عجیب بات ہے خود تو نادانوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ اور عقلمند آدمی کو پاگل کہتے ہیں۔"

اور اس آواز کے ساتھ ایک فقیر جھاڑی سے باہر نکل آیا۔ دُبلا، پتلا کمزور، خلیفہ نے اس سے پوچھا:

ہارون رشید: "تم کون ہو؟"

فقیر:- "اللہ کا ایک بندہ ہوں۔"

ہارون رشید: تم میری رعایا میں سے ہو یا کسی دوسرے ملک کے باشندے ہو؟"

فقیر: "ہمارا تمہارا سب کا بادشاہ اللہ ہے۔"

ابراہیم: (فقیر سے) تجھے معلوم ہے کہ تو کس سے باتیں کر رہا ہے؟

فقیر: ہاں جانتا ہوں۔ اس سے باتیں کر رہا ہوں جو خدا اور آخرت کی پوچھ گچھ سے غافل ہے اور اسی دنیا کو سب کچھ سمجھتا ہے۔

یہ سُن کر ابراہیم کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو گیا لیکن ہارون رشید نے اس سے کہا "ابراہیم! غصّہ کرنے کی ضرورت نہیں اب ہم واپس چلتے ہیں۔ تم اس فقیر کو اپنے ساتھ لاؤ اور میرے محل میں لا کر میرے سامنے پیش کرو۔

تاکہ میں اسے پرکھوں کہ یہ سچا فقیر ہے یا بناوٹی۔"

اس بات چیت کے بعد ہارون رشید لوٹ پڑا۔ بغداد میں آ کر محل میں چلا گیا اور ابراہیم کو حکم دیا کہ فقیر کو حاضر کرے۔ ابراہیم باہر گیا اور فقیر کو ساتھ لے کر آیا۔ فقیر نے بادشاہ کے سامنے آکر اسلامی طریقے سے سلام کیا:

"السلام علیکم"

خلیفہ نے جواب دیا "وعلیکم السلام"

اس کے بعد ہارون رشید نے حکم دیا کہ کھانا لایا جائے۔ شاہی دسترخوان بچھا اور طرح طرح کا کھانا چن دیا گیا۔ ہارون رشید نے فقیر کو بھی کھانے کی دعوت دی۔ فقیر سب کے ساتھ کھانا کھاتا جاتا اور کہتا جاتا "ہمارے رب نے کیسی کیسی لذیذ نعمتیں ہمیں دی ہیں۔ سب تعریف اسی کے لیے ہے۔

ایک خادم نے فقیر کی بات سن لی۔ اس نے کہا "یہ شاہی دسترخوان کی نعمتیں ہیں جو خوش نصیبوں ہی کو ملتی ہیں۔ تم ہارون رشید کا شکریہ ادا کرو۔

فقیر: لیکن ہارون رشید کو بھی یہ نعمتیں اللہ ہی نے دی ہیں اس لیے شکر کے لائق وہی اللہ ہے۔"

خلیفہ: (سن کر بولا) سچ کہتا ہے۔

کھانا کھانے کے بعد ہارون رشید نے فقیر سے کہا۔ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرے سوالات کے جوابات ٹھیک ٹھیک دوگے۔

فقیر: انشاءاللہ اپنی سمجھ سے ٹھیک ہی جواب دینے کی کوشش کروں گا۔"

ہارون رشید: "یہ بتاؤ کہ فرعون اللہ کا زیادہ نافرمان تھا یا میں ہوں؟"

فقیر: "فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا وہ کافر تھا اور الحمدللہ آپ مسلمان ہیں۔"

ہارون رشید: "حضرت موسیٰ تم سے بہتر تھے یا تم اُن سے بہتر ہو؟"

فقیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور میں ایک معمولی بندہ۔ میرا اُن کا کیا مقابلہ"

ہارون رشید: "اللہ تعالےٰ نے ان کو فرعون کے پاس نصیحت کے لیے بھیجا تو حکم دیا کہ اس سے نرمی سے بات کرنا لیکن تم نے میرے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیوں نہیں کیا جب کہ میں مسلمان ہوں۔"

فقیر: "بے شک! میں نے نصیحت کرنے میں سختی سے کام لیا۔ اللہ مجھے معاف فرمائے۔ میں آپ سے بھی معافی چاہتا ہوں۔"

ہارون رشید: "میں نے معاف کیا۔ تم نے میرے سوالوں کے جواب بہت بہتر بتا دئے" —— اس کے بعد حکم دیا کہ اس فقیر کو دس ہزار روپے دیے جائیں۔ حکم کی دیر تھی۔ خادم نے دس ہزار کی تھیلیاں لا کر دیں۔"

فقیر: "میں ان تھیلیوں کو لے کر کیا کروں گا۔ انہیں حضور لوگوں میں تقسیم کر دیں۔"

ہرثمہ: (ایک افسر فوج نے ڈانٹ کر کہا) تو کیسا جاہل ہے حضور کے

عطیہ کو نہیں لیتا۔"

فقیر: (ہرثمہ کی طرف دیکھ کر) "یہ مال و دولت تم جیسے لوگوں کے لیے ہے۔"

یہ کہہ کر فقیر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اسے جاتے دیکھ کر ہارون رشید نے ہرثمہ کو ڈانٹا کہ تو کیوں بولتا ہے اس کے بعد فقیر سے کہا۔

ہارون رشید: "میں تم کو محتاج سمجھ کر نہیں دیتا ہوں بلکہ میرا طریقہ یہ ہے کہ جو میرے یہاں آتا ہے اس کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتا ہوں۔"

فقیر: "اگر یہی بات ہے تو میرے دو ہاتھ ہیں۔ میں دو تھیلیاں لیے لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر فقیر نے دو تھیلیاں اٹھالیں اور محل سے جانے لگا۔ ہارون رشید نے ابراہیم سے کہا جا کر دیکھنا کہ یہ فقیر تھیلیاں لے کر جاتا ہے یا راستے میں کہیں ڈال دیتا ہے۔ ابراہیم پیچھے چلا۔ ہارون رشید محل کی چھت پر جا کر دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ فقیر خالی ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے جا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ دنیا نے مجھے دھوکہ دینا چاہا لیکن میرے رب نے مجھے بچالیا۔

ہارون رشید یہ دیکھ کر اتر آیا۔ اپنی جگہ آ بیٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابراہیم بھی آ گیا۔ اس نے بتایا کہ حضور! محل کے دروازے کے پاس جا کر اس نے دونوں تھیلیوں کے منھ کھولے اور دربانوں کے سامنے الٹ دئے اور کہا:

"یہ خلیفہ کا مال ہے دربان ہی اس کے حقدار ہیں۔"

یہ سن کر ہارون رشید نے ابراہیم سے کہا:

"ابراہیم! جو شخص دُنیا کو لات مار چکا ہو وہ بادشاہوں کے رعب و داب کو نہیں مانتا۔ اللہ تعالےٰ جل شانہٗ سے میری دُعا ہے کہ میری بادشاہت میں ہمیشہ ایسے لوگ موجود رہیں۔

اور یہ کہتے کہتے ہارون رشید کی آواز بھرّا گئی۔

(بہت خوب!)

آخری چوری

چور گڑھی کے آس پاس گھومتا رہا۔ اس نے اندر جانے کا موقع تلاش
کر لیا۔ وہ ایک بڑی مہری کے پرنالے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔
اگر پرنالے کا ایک پتھر ہٹ جائے تو بڑی آسانی سے اندر جایا جا سکتا ہے۔
اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ ہر طرف پہرے لگے ہیں۔ ہٹو بچو کی
آوازیں لگ رہی ہیں۔ اسی طرف مسان ہے۔ اس طرف گندہ نالہ ہے،
پھر وہ گندہ نالہ ندی میں جا گرا ہے۔ اس طرف کسی کا دھیان بھی نہیں
گیا کہ کوئی ادھر سے بھی آ جا سکتا ہے لیکن آج رات میں گڑھی میں گئے
بغیر نہ رہوں گا۔ کل راجہ کی سال گرہ کا دن ہے کتنے دنوں پہلے سے گڑھی
سجائی جا رہی تھی۔ سنا ہے پرکھوں کے زمانے کی بہت ہی قیمتی چیزیں
سجائی جائیں گی۔ سجائی کیا جائیں گی۔ وہ تو سجائی جا چکی ہوں گی۔ اب تو
کل سالگرہ کا دن منانا باقی ہے۔ انتظام تو سب ہو ہی چکا ہو گا۔ میرا خیال ہے
کہ انتظام کرنے والے سب تھک چکے ہوں گے۔ آج گھوڑا بیچ کر سوئیں گے۔
بس آج ہی رات میں جو کچھ کرنا ہو کر ڈالنا چاہیے بس ٹھیک ہے۔ یہی

نالہ میرے لیے راستہ بنے گا۔ مگر نالے کا منھ بڑا کرنے کے لیے پتھر تو ہٹانا پڑے گا۔"

نالے کا موقع دیکھ کر چور واپس ہو گیا۔ وہ رات ہونے کا انتظار بڑی بے صبری سے کرنے لگا۔ اس بے صبری میں اُسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے دن بڑا ہو گیا ہے اور ختم ہونے ہی کو نہیں آتا۔ اس نے گھوم پھر کر دن کاٹا۔ سورج چھپا تو شراب خانے گیا۔ اس نے ڈٹ کر شراب پی۔ پھر گھر آیا۔ کچھ دیر لیٹا لیکن نیند اُسے کہاں۔ وہ تو اس انتظار میں تھا کہ آدھی رات ہو اور وہ اپنے کام کو پورا کرنے چلے۔ نہ جانے کتنی کروٹیں اس نے لیں، نہ جانے کتنی بار اس نے حقہ پیا۔ آخر آدھی رات کا وقت ہوا اور وہ ایک نوکیلا ہتھیار لے کر اندھیری رات میں گھر سے نکل کھڑا ہوا اور گڈھی کے اس طرف جا پہنچا جدھر سے پرنالہ کا پانی نکل کر ندی میں گرتا تھا۔

پرنالے کی طرف گندگی بھی بہت تھی اور بڑی بڑی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ دس قدم پر ندی تھی۔ اس نے سوچا گھاس کے پاس کھٹکا رہتا ہے۔ اس میں جانا ٹھیک نہیں یہ سوچ کر وہ ندی میں گھس گیا۔ کنارے کنارے تیرتا ہوا نالے کے پاس پہنچا اور پھر نالے میں ہوتا ہوا اس کی مُہری کے پاس پہنچ گیا۔ وہ گندے پانی سے بُری طرح لت پت تھا مگر اس کو کچھ پروا نہیں تھی۔ اس نے اپنا نوکیلا ہتھیار سنبھالا۔ اور پھر دس پندرہ منٹ میں پرنالے کے اوپر کا پتھر الگ پڑا تھا۔ پتھر کو اس نے ایک طرف کر دیا اور اسی راستے سے اندر پہنچ گیا۔ بدبودار کیچڑوں کی وجہ سے اس کو پریشانی تو تھی مگر اُسے

دوسری ہی دُھن تھی۔ انسان کو جب کسی چیز کی دھن ہو جاتی ہے پھر اس کے آگے وہ کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ اس وقت گندے پانی اور کیچڑ سے لت پت ہو رہا تھا لیکن اُسے کچھ پروا نہ تھی۔ مچھر اُسے کاٹ رہے تھے لیکن وہ برداشت کرتا رہا۔ اندر پہنچ کر وہ نالے کے کنارے کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظر دور سامنے روشنی پر پڑی۔ وہ ڈر کر جھٹ بیٹھ گیا۔ اتنی دور کی روشنی یہاں تک پہنچ نہیں رہی تھی۔ یہاں بالکل اندھیرا تھا لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے کہ چور کا دل ہی کتنا۔ وہ تھوڑی دیر چپکا بیٹھا رہا اور سوچتا رہا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

اچانک اسی اندھیرے میں دو آدمی آتے دکھائی دیے۔ چور سہم گیا۔ اُسے خیال آیا کہ شاید انہوں نے دیکھ لیا۔ اس نے ایک نظر پرنالے کی طرف ڈالی۔ کہ اس طرف سے بھاگا جا سکتا ہے لیکن اس نے دیکھا کہ وہ دونوں آدمی آتے آتے ایک طرف مڑ گئے اور نالے کے دوسری طرف ایک بڑے سے گڈھے میں اتر گئے۔ اب چور کو یہ فکر ہوئی کہ یہ کون ہیں اور اس اندھیرے میں کیوں آئے؟ وہ دبے پاؤں اس گڈھے کی طرف چلا۔ اس نے اپنا نوکیلا ہتھیار بھی سنبھال لیا تھا کہ اگر خطرہ ہوگا تو ان دونوں کے وار کرنے سے پہلے خود وار کر دے گا وہ دھیرے دھیرے گڈھے کے کنارے پہنچ گیا اور لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اس نے سنا کوئی کہہ رہا ہے:۔

"لو دیکھو، یہ ہے سنکھیا۔ تمہارے اوپر راجہ کو پورا بھروسہ ہے نا! تم ہی تو کل راجہ کو شربت پلاؤ گی۔ تو دیکھو یہ کرنا کہ راجہ کو جو شربت دو

اس میں سنکھیا ملا دینا۔ پھر تو اپنے پو بارہ ہیں راجہ کے مرنے کے بعد گدی میرے پاؤں تلے ہوگی۔ میں نے کچھ ایسے ساتھی بنا لیے ہیں جن کی مدد سے میں راج گدی حاصل کر لوں گا اور پھر تم میری پٹ رانی ہوگی۔ ہاں سمجھیں!"

چور لیٹا لیٹا یہ سنتا رہا۔ "اُف خدایا!" شاید عمر میں پہلی بار اس کی زبان سے نکلا "میں یہ کیا سُن رہا ہوں۔ یہ کون ہے، جو اس اندھیرے میں راجہ کو زہر دینے کی اسکیم بنا رہا ہے، یہ تو کوئی بڑا دغا باز ہے" چور اتنا ہی سوچ سکا تھا کہ اس نے ایک عورت کی آواز سنی وہ کہہ رہی تھی :۔

"ہاں ہاں! یہ تو ہو جائے گا مگر منتری جی! تم مجھے کوئی ایسی نشانی دو جس سے مجھ کو اطمینان ہو جائے کہ تم راجہ ہونے پر مجھے پٹ رانی بنا لوگے۔"

چور سمجھ گیا کہ یہ عورت اس شخص سے ملی ہوئی ہے اور دونوں مل کر راج گدی کو سونی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چپکا پڑا رہا۔ اس نے پھر مرد کی آواز سنی۔

"لو یہ انگوٹھی ہے۔ لاؤ اپنا ہاتھ میں اپنے ہاتھ سے انگوٹھی تم کو پہنا دوں۔ میں بھگوان کی قسم کھا کر انگوٹھی پہنا رہا ہوں۔ اچھا تو اب جاؤ۔ دیکھو بڑی ہوشیاری سے کام کرنا۔ کسی کو شبہ نہ ہو۔"

"راج منتری! تم تو بیٹھے ہی ہو گے۔ دیکھنا کس حکمت سے راجہ کو شربت پلاتی ہوں۔"

چور لیٹا لیٹا سنتا رہا۔ پھر اس نے دیکھا کہ دونوں نمک حرام گڑھے سے نکلے اور پھر اس روشنی کی طرف جانے لگے جو سامنے ہو رہی تھی۔

"اچھا تو یہ دونوں اس لیے ادھر آئے تھے" چور اپنے آپ بڑبڑانے لگا۔

کیسے نمک حرام ہیں یہ جس کا نمک عمر بھر کھایا اُسی سے غدّاری کرنے جارہے ہیں۔
اُف خدایا"

دوسری بار پھر چور کی زبان سے خدا کا نام نکلا۔ خدا کے نام میں برکت یہ ہے کہ جب کوئی اس کا نام لیتا ہے تو نیکی کی راہ سامنے آنے لگتی ہے۔ چور نے دو بار خدا کا نام لیا تو اب وہ یوں سوچنے لگا۔

"اونھ، چوری عمر بھر کرتا رہا۔ کبھی نیک کام نہیں کیا۔ چوری کرکے جو کچھ کہیں سے اُڑا لایا۔ سب بُرے کاموں میں خرچ کر دیا۔ نہ جانے کس کس گھر کو تباہ کیا ہو۔

"اُف خدایا!"

چور نے تیسری بار پھر خدا کا نام لیا۔ اب وہ یوں سوچ رہا تھا" کیوں نہ کروں کہ کل جب راجہ شربت پینے چلے تو میں بڑھ کر اس کے ہاتھ سے شربت چھین لوں اور یہی ایک کام کر جاؤں۔ شاید کہ خدا مجھے معاف کر دے۔"

چور آیا تو تھا گڑھی میں بہت بڑی چوری کرنے لیکن اب اس نے یہ طے کیا کہ وہ راجہ کی جان بچائے گا۔ اس نے چاہا کہ نالے سے نکل کر پھر گھر جائے اور دن میں اچھے کپڑے پہن کر کسی رئیس کے ساتھ گڑھی میں چلا جائے لیکن پھر اس نے سوچا " نہیں، مجھے اسی حالت میں لنگوٹ پہنے ننگ دھڑنگ راجہ کے پاس پہنچنا چاہیے، نالے کے پاس گڑھے کی باتیں سننے کے لیے میری یہی حالت گواہ ہوگی۔

چور نے یہی فیصلہ کر لیا اور اب وہ نالے کے پاس سے ہٹ کر ایک

درخت کی آڑ میں آیا۔ اسی درخت کے نیچے پڑ کر سو گیا۔ صبح سویرے اُٹھ کر وہ اسی گڈھے میں اُتر گیا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا۔ جب اُسے ایک نیکی کا کام کرنا ہوگا۔ وہ بار بار گڑھے میں کھڑا ہو کر آنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ دو گھنٹے کے بعد اس نے دیکھا تو سمجھ گیا کہ اب سارے لوگ آ گئے۔ راجہ کو اس نے سنگھاسن کی طرف جاتے دیکھا۔ اس کے ساتھ اس کے درباری بھی تھے۔ اس کے جاتے ہی چور نے دیکھا کہ شربت پلانے کا سامان جانے لگا۔ اب چور سنبھل کر کھڑا ہوا۔ اس کو یہ پروا نہیں تھی کہ اُسے کوئی پکڑے گا اس نے اپنے ایک ہاتھ میں اپنا نوکیلا ہتھیار بھی لے لیا کہ اگر کوئی راستے میں پکڑے گا تو اس سے بچاؤ کرے گا۔

وہ گڈھے کے کنارے تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ دل بادل شامیانے کے اندر سیکڑوں مہمان بیٹھے ہوئے ہیں۔ سب کے سامنے شربت کے گلاس رکھے ہیں۔ ایک نوجوان اور خوبصورت عورت نے راجہ اور رانی کے سامنے بھی شربت کا گلاس رکھا۔ رانی کے پاس چودہ پندرہ برس کا سندر راجکمار بھی بیٹھا تھا۔ شربت کا گلاس اس کے سامنے بھی اسی عورت نے پیش کیا۔ چور سمجھ گیا کہ یہی وہ ڈائن ہے جو منتری سے ملی ہوئی ہے۔ چور دوڑ پڑنے کے لیے تیار ہو گیا اب سب لوگ راستہ دیکھ رہے تھے کہ پہلے راجہ شربت پیے تو سب پئیں۔ پھر اس نے دیکھا۔

ایک طرف سونے کی کرسی پر سے ایک شخص اُٹھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر راجہ سے کہا۔ کہ اب سالگرہ کی مہورت منانے کا سمے آ گیا۔ مہاراج شربت

پئیں تو سارے مہمان بھی شربت پئیں۔

چور سمجھ گیا۔یہی منتری ہے۔"غدّار" چور کی زبان سے نکلا۔ ادھر راجہ نے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ادھر چور نے چھلانگ لگائی۔ وہ بے تحاشا دوڑ پڑا۔ دور ہی سے پکارا "مہاراج ٹھہریئے!"

چور کی آواز سن کر سارے لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ایک ننگ دھڑنگ آدمی کو لنگوٹ کسے ایک نوکیلا ہتھیار لیے اس طرف آتے دیکھا تو سب چوکنا ہو گئے۔سپاہیوں نے بڑھ کر روکنا چاہا لیکن وہ دوسری چھلانگ لگا کر سنگھاسن کے پاس پہنچ گیا اور راجہ کے ہاتھ سے گلاس چھین لیا۔ رانی اور راجکمار سے کہا شربت ہرگز نہ پیجیے۔

چور کی اس جرأت پر سب لوگ دنگ رہ گئے۔سپاہیوں نے اُسے آکر پکڑ لیا اور رسیوں سے جکڑ دیا۔

"تو کون ہے؟" راج منتری گرجا۔"اس شُبھ گھڑی میں رنگ میں بھنگ کرنے کہاں سے آگیا۔ لے جاؤ اسے اور قتل کر دو۔"

سپاہیوں نے چور کو ایک طرف لے جانا چاہا لیکن چور نے منتری کو جھڑک دیا۔"غدّار ابھی تیری غدّاری کھلی جاتی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے راجہ سے کہا "مہاراج آپ اپنے گلاس کا شربت منتری سے پینے کو کہیں اور راج ماتا اپنا گلاس اس پلانے والی کو دیں۔ دیکھیے یہ دونوں پیتے ہیں یا نہیں؟"

چور کا یہ کہنا تھا کہ منتری اور وہ خوبصورت عورت دونوں گھبرا گئے۔ ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ راجہ سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے اس نے

سپاہیوں کو روکا اور چور سے پوچھا "کیا معاملہ ہے؟"

چور نے صاف صاف بتا دیا کہ میں آج یہاں چوری کرنے کی نیت سے آیا تھا لیکن رات کی اندھیری میں گڈھے کے پاس ان دونوں نے آپ کے خلاف یہ سازش کی ہے آپ کو زہر دے رہے ہیں۔ میری سچائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ دونوں یہ شربت نہیں پی سکتے جو آپ کو پیش کیا گیا۔"

سارے لوگ یہ سُن کر منتری اور راس استری کی طرف دیکھنے لگے۔ راجہ نے منتری سے کہا "کہو کیا کہتے ہو؟" ان دونوں غداروں کا اس وقت یہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ وہ چپ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ راجہ نے یہ دیکھ کر حکم دیا کہ تم دونوں یہی شربت پیو۔

اب تو دونوں راجہ کے پیروں پر گر پڑے۔ اپنے قصور کا اقرار کیا اور چھما مانگنے لگے۔ راجہ نے دونوں کو جیل خانے بھجوا دیا کہ تمہارا مقدمہ بعد میں ہوگا۔ اس کے بعد زہر کے تینوں گلاس (راجہ، رانی اور راجکمار کے گلاس) پھنکوا دیے گئے۔ راجہ نے حکم دیا کہ اس چور کو نہلا دھلا کر اور صاف کپڑے پہنا کر لایا جائے۔ حکم کی دیر تھی۔ اسے نہلایا دھلایا گیا عمدہ لباس پہنا کر لایا گیا۔ اب چور نے آکر راجہ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں وہی چور ہوں جس کو پکڑنے کے لیے مہاراج نے دس ہزار کا انعام مقرر کیا ہے۔ اب میں حاضر ہوں آپ چاہیں تو چھما کر دیں اور چاہیں تو سزا دیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ میری آخری چوری تھی۔

راجہ نے اُٹھ کر اُسے گلے سے لگا لیا اور اُسے لے جا کر اس کرسی پر بٹھا دیا جس پر تھوڑی دیر پہلے منتری بیٹھا ہوا تھا۔ بہت خوب!

"ٹھاکر بھیّا! یہ کتّا بڑی اچھّی نسل کا ہے۔ میرے سسر جی اس کو جبل پور سے لائے تھے۔ اس وقت یہ ایک مہینے کا پلّا تھا بڑا ہوا تو انہوں نے مجھے دے دیا۔ یہ ان کی نشانی ہے مگر آپ کو ضرورت ہے تو لے کر آیا ہوں۔ آپ جو چاہیں اسکی قیمت دیدیں۔ میں نے تین چار برس آپ کے یہاں نوکری کی ہے۔"

گنگو پاسی نے اس طرح ٹھاکر درگا سنگھ سے کہا تو ٹھاکر صاحب نے گنگو کو گھور کر دیکھا۔ پھر کتّے پر نظر ڈالی۔ انہوں نے اس طرح منھ بنایا جیسے کتّا ان کو پسند نہ آیا ہو۔ پھر بولے:

"یہ کتّا تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اسے کھجلی ہو گئی ہو۔ اس کے بال تو جھڑ گئے ہیں۔ یہ کیسی ہی اچھّی نسل کا ہو مجھے تو پسند نہیں۔"

"بھیّا! یہ اصیل ہے۔ میرے یہاں اس کو اس کا اصل راتب نہ مل سکا اس لیے اس کی یہ حالت ہے۔ آپ کے گھر اچھّا راتب پائے گا تو دیکھیے گا کیسا رنگ لاتا ہے۔ اگر میں اس کو کھلا پلا سکتا تو ہرگز اپنے سے جدا نہ کرتا۔ میں نے بتایا نا کہ یہ میرے سسر کی نشانی ہے۔"

"تم دینا ہی چاہتے ہو تو چھوڑ جاؤ لیکن میں اس کُتّے کی قیمت بیس روپیہ سے زیادہ نہیں دے سکتا۔"

"بھیّا! میرے سسر کہتے تھے کہ جبل پور کے ٹھاکر اس کی ماں (کتیا)، کو جرمنی سے دو ہزار میں لائے تھے۔ آپ تو کُتّوں کی نسل پرکھنے اور پہچاننے والے ہیں اور اچھی نسل کے کتّوں کے قدردان بھی ہیں۔"

"پہچانتا ہوں اسی لیے تو اس کھجلی کے مارے کتّے کو لے رہا ہوں۔" ٹھاکر درگا سنگھ یہ کہہ کر ٹھٹھا مار کر ہنسے۔ انہوں نے دس دس کے دو نوٹ گنگو کی طرف بڑھا دیے۔ گنگو نے سلام کر کے لے لیے اور چلا گیا۔

گنگو کے جانے کے بعد ٹھاکر درگا سنگھ آپ ہی آپ بڑ بڑانے لگے۔ مجھے احمق بنانے آیا تھا۔ کہتا تھا کہ اس کے سسر جبل پور سے لائے تھے۔ میں اسے خوب پہچانتا ہوں کہیں ہاتھ مارا ہے وہیں سے یہ ملا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہے یہ اصیل مگر روگی ہے۔ اگر اس کا روگ دور ہو گیا تو شیر نکلے گا شیر!

ٹھاکر درگا سنگھ نے کتّا نوکر کے حوالے کیا اور کہا اس کی دیکھ بھال کرے۔ اس کے بعد وہ ڈاکٹر قریشی سے ملنے چل دیے۔ ڈاکٹر قریشی جانوروں کے ڈاکٹر تھے۔ ٹھاکر درگا سنگھ اور ڈاکٹر صاحب میں بڑا میل جول تھا۔ ان سے جا کر ملے اور کتّے کے بارے میں مشورہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے حال سُنا تو کہا کہ پندرہ دن کے علاج میں ٹھیک ہو جائے گا۔

سچ مچ پندرہ دن میں کُتّے کا روگ جاتا رہا اور اس کے بدن پر بال نظر آنے لگے۔ اس کے بعد جب اس کے باقاعدہ راتب کا انتظام کر دیا گیا تو

تین چار مہینے کے اندر وہ شیر کی طرح دہاڑنے لگا۔ ٹھاکر صاحب اب اُسے اپنے ساتھ سیر کرانے لے جانے لگے۔ رات کو وہ اپنے اس مکان میں کھلا چھوڑ دیتے جس میں سویا کرتے تھے۔ اسی مکان کے ایک کمرے میں ان کے گھر کی تجوری اور دوسرا قیمتی سامان رکھا تھا۔ کتّے کو اس مکان میں رکھنے سے ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ رات کو اس کی رکھوالی کرے گا۔ کتا رات کو ذرا بھی آہٹ پاتا تو بھونکنے لگتا اس کے بھونکنے کی آواز ایسی گرجدار اور ڈراؤنی تھی کہ لوگ ٹھاکر کے مکان کے پاس سے رات کے وقت نکلنے سے ڈرتے تھے۔

اب سنیے، ایک رات کی بات ہے۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ ٹھاکر ایک طرف مچھر دانی لگائے سو رہے تھے۔ کتّا ان کے پلنگ کے نیچے اگلے دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا، اچانک اس نے کچھ آہٹ پائی۔ "ہونھ کی طرح کی آواز منھ ہی منھ میں نکالی پھر سر اونچا کیا۔ پھر پلنگ کے نیچے سے نکلا۔ پھر ایک دیوار کی طرف چلا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ اس وقت وہ بالکل خاموش رہا اپنی عادت کے مطابق وہ بھونکا نہیں۔ دیوار کی وجہ سے اُس جگہ ذرا اندھیرا تھا۔ کتّا اسی اندھیرے میں چپکا جا بیٹھا۔ دو ایک بار اس نے دیوار سونگھی پھر اوپر دیکھا بھی لیکن ابھی کسی چور کا پتہ بھی نہ تھا۔ کتے کو وہاں سے چلے آنا چاہیے تھا مگر وہ اسی اندھیری جگہ میں پڑا رہا۔ وہ دس پندرہ منٹ اسی طرح چپکا پڑا رہا۔ دس بارہ منٹ کے بعد ایک شخص دیوار پر آیا۔ اُس نے چاروں طرف دیکھا مکان میں بالکل سنّاٹا تھا۔ چور اطمینان کے ساتھ دیوار سے اترنے لگا اترتے اترتے جیسے ہی اس نے زمین پر پاؤں رکھنا چاہا کہ کتّے نے اچک کر

اس کا پاؤں دبوچ لیا۔ چور "ہائے رام" کہہ کر گرا کتّے نے اُس کے پاؤں کو چبا ڈالا۔

ادھر کتّا چور کے پاؤں کو منہ میں لیے ہوئے تھا ادھر چور "ہائے رام" "ہائے رام" کہہ رہا تھا۔ اس کی ہائے ہائے کی آواز سے ٹھاکر صاحب کی آنکھ کھُل گئی۔ وہ اُٹھے، مچھّر دانی سے نکلے، سرہانے سے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا پھر ٹارچ کی روشنی میں دیوار کی طرف بڑھے۔ وہاں جا کر انہیں بڑا تعجب ہوا۔ کتّے نے جس چور کو پکڑ رکھا تھا ٹھاکر صاحب نے اسے پہچانا۔ پہچان کر بولے:

"ارے گنگو! تو؟"

اور پھر ٹھاکر صاحب سب کچھ سمجھ گئے۔ کتّے کو چمکارا۔ اس نے گنگو کا پیر چھوڑ دیا اور ٹھاکر صاحب کے پاس چلا آیا۔ ٹھاکر صاحب نے گنگو سے کہا:

"اگر تو نے بھاگنے کا ارادہ کیا تو میں یا تو پستول کا نشانہ بنا دوں گا یا پھر اس کتّے سے نُچوا ڈالوں گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے نوکر کو پکارا۔ نوکر آیا تو اس سے کہا کہ محلے کے کچھ آدمیوں کو بلا لائے اور پھر کوتوالی جا کر سپاہیوں کو لے آئے۔

تھوڑی دیر میں بہت سے لوگ اکٹھا ہو گئے۔ انہوں نے گنگو کو دیکھا تو اُسے بُرا بھلا کہنے لگے۔ کوئی اُسے نمک حرام کہتا کیونکہ وہ ٹھاکر صاحب کے یہاں نوکر رہ چکا تھا۔ کوئی کہتا کہ یہ کتا اسی لیے دیا گیا تھا کہ جب خود چوری کرنے آئے تو کتا پہچان لے اور بھونکے نہیں۔ مگر واہ! کتّے نے خوب

مالک کا حق ادا کر دیا۔ کوئی کہتا گنگو تو کتّے سے بھی بُرا آدمی نِکلا۔

ٹھاکر صاحب نے لوگوں کی باتیں سنیں۔ انہوں نے کہا: "یہ کتّا اصیل نہے۔ اصیل اور دوغلے میں فرق بھی ہوتا ہے۔ کیوں نہ گنگو!"

اور گنگو کا یہ حال تھا کہ شرم کے مارے سر اونچا نہیں کر سکتا تھا۔

بدلہ

ایک بادشاہ تھا اس کا نام تھا مہدی۔ ایک دن وہ دربار سے اُٹھ کر اپنے محل میں گیا تو محل میں بڑی چہل پہل دیکھی۔ اپنی ملکہ خیزران سے حال پوچھا تو اس نے اس طرح کہنا شروع کیا:

"آج انوکھی نرالی بات دیکھنے میں آئی۔ میں جس طرح روزانہ محل میں خوش رہتی تھی آج بھی اس طرح خوش تھی۔ اچانک ایک باندی نے آکر کہا "ایک عورت محل میں آنا چاہتی ہے لیکن نہ وہ اپنا نام بتاتی ہے، نہ یہ بتاتی ہے کہ کہاں سے آئی ہے اور نہ یہی بتاتی ہے کہ وہ کیوں محل میں آنا چاہتی ہے۔ بس اس کی ایک رٹ ہے کہ محل میں جاؤں گی۔ ملکہ سے ملنا چاہتی ہوں۔"

باندی سے یہ سنا تو مجھے کھٹکا پیدا ہوا کہ نہ جانے کون ہو۔ میں نے اپنی سب سے زیادہ سمجھدار سہیلی زینب سے مشورہ کر کے اُسے اندر بلالیا۔ وہ اندر آئی تو میں اُسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ کپڑے تو میلے کچیلے اور پھٹے پرانے پہنے تھی مگر ایسی خوبصورت اور حسین تھی کہ میں اُسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس نے آکر سلام کیا اور پھر خود ہی بتایا کہ میرا نام مُزنہ ہے۔

"مُزنہ ؟ وہ مُزنہ تھی ؟" مہدی نام سُن کر چونک پڑا۔ "اچھا پھر کیا ہوا؟"

"جی ہاں۔ وہ مُزنہ تھی۔ پھر یہ ہوا کہ اس کا نام سنتے ہی میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ مجھے وہ زمانہ یاد آگیا جب ہمارے خاندان سے اور اس کے خاندان سے لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ اس وقت مزنہ کا باپ مروان بادشاہ تھا۔ اور ہم کمزور تھے۔ آپ کو یاد ہے ہمارے خاندان کے بزرگ ابراہیم کو قتل کروادیا گیا تھا۔ ان کی لاش لینے ہم لوگ گئے میں نے سوچا کہ محل میں چل کر مروان کی ملکہ سے سفارش کراؤں کہ ہمیں لاش دے دی جائے۔ میں محل میں گئی میں نے ملکہ سے یہ کہہ کر لاش مانگی کہ ہم تم ایک خاندان سے ہیں۔ ریاست کے جھگڑوں نے ہمیں لڑادیا پھر تم لوگ کامیاب ہوئے۔ اب اگر تم ہمارے بزرگ کی لاش ہمیں دے دو تو یہ ہم پر احسان ہوگا۔

میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ یہی مُزنہ جو اس وقت شہزادی تھی اور محل میں سب سے زیادہ لاڈلی تھی۔ غصّے کے مارے ہمیں مارنے دوڑی۔ اس نے ہمیں گالیاں دیں اور محل سے نکلوادیا تھا۔

بس یہ سب یاد آیا تو میرے دل پر جو چوٹیں کسی زمانے میں پڑی تھیں تازہ ہوگئیں۔ آج ہم پر خدا کا فضل ہے کہ ہم نے مزنہ کے خاندان کو ہرا دیا اور بادشاہت ہمارے حصّے میں آئی۔

"تو پھر تم نے کیا جواب دیا مُزنہ کو" مہدی نے خیزران سے پوچھا۔

"وہی، جو اس نے مجھے دیا تھا، میں نے کہا، مُزنہ! وہ وقت یاد کرو

جب ہمارے بزرگ ابراہیم کی لاش پڑی تھی اور ہم لاش لینے گئے تھے تو تو نے ہمیں ذلیل کر کے گھر سے نکلوا دیا۔ ہماری طرف سے نہ تمہارے سلام کا جواب ہے، نہ سلامتی اور نہ کوئی خیر۔ خدا کا لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی نعمت تجھ سے چھین لی اور ہمیں دی اور اس نے تجھ کو ذلیل کر کے اس حالت کو پہنچایا کہ ہماری چوکھٹ پر بے غیرت بن کر ناک رگڑنے آئی۔

"یہ جواب دیا تم نے؟" خلیفہ مہدی نے پوچھا۔

"جی، آج میں بہت خوش ہوں کہ اس سے بدلہ لے لیا۔"

"ملکہ! تم پر افسوس ہے کہ تم نے اچھا بدلہ نہیں لیا۔ تم اس وقت ثواب کما سکتی تھیں۔ ہمیں بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں نیکی سے لینا چاہیے تھا۔"

"حضور! سنیے تو، پھر کیا ہوا؟ جب میں نے یہ کہا تو مُزنہ ڈری نہیں۔ وہ ٹھٹھا مار کر ہنسی۔ اس نے کہا "بے شک میں نے وہی کہا تھا اور تمہارے ساتھ وہی کیا تھا جو تم کہہ رہی ہو۔ مجھے میرے کیے کا بدلہ مل گیا۔ اب کیا تم بھی خدا سے یہی چاہتی ہو؟ تم میرے ساتھ وہی کر رہی ہو جس کے کارن میں ذلیل ہوئی۔ خدا سے ڈرو۔ اچھا خدا حافظ۔ یہ کہہ کر مزنہ لوٹ پڑی۔"

"تو وہ اسی طرح واپس چلی گئی۔ تم نے کیسا اچھا موقع کھو دیا۔" خلیفہ مہدی افسوس کرنے لگا۔

"حضور! مُزنہ کی کہانی ابھی باقی ہے جب وہ واپس ہوئی تو مجھ پر خدا کا خوف چھایا۔ میں ڈری کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا مجھ کو ایسے ہی عذاب میں ڈال دے۔ خدا کے ڈر سے میں اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں اس کے

پیچھے دوڑی میں نے لونڈیوں اور باندیوں سے کہا، اسے روکو، مت جانے دو، میرے حکم سے لونڈیاں اور باندیاں اسے روک رہی تھیں مگر وہ غیرت دار کسی سے رک ہی نہیں رہی تھی میں نے لپک کر اُسے پیچھے سے پکڑ لیا اور اس سے اپنی زبان سے نکلے ہوئے لفظوں کی معافی مانگنے لگی۔ پھر میں نے چاہا کہ اُسے گلے لگا لوں تو اس نے مجھے روکا اور کہا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ تم مجھے گلے لگاؤ۔ میرے کپڑوں میں بو آ رہی ہے۔ وہ بہت میلے ہیں۔

وہ یہ کہہ رہی تھی مگر میں اس سے لپٹ گئی۔ پھر میں نے حکم دیا کہ اُسے غسل کرایا جائے۔ غسل کے بعد میں نے اُسے شاہانہ جوڑا پہنایا۔ اپنے برابر بٹھایا اور خاطر کرنے لگی۔ پھر میں نے اپنا سب سے اچھا باغ اسے رہنے کو دیا۔ پانچ لاکھ اشرفیاں بھیجیں۔ لونڈیاں باندیاں خدمت کرنے کے لیے بھیجیں اور جب تک میں نے اُسے خوش نہ کر لیا اس کے پاس سے نہ ہٹی۔ میں نے اُسے اپنی بہن بنا لیا۔"

"جزاک اللہ!" مہدی کی زبان سے نکلا "خدا تم کو اس کا اچھا بدلہ دے۔ اچھا میری طرف سے میرے چچا کی لڑکی کے پاس اشرفیوں کے سو توڑے تحفے میں بھیجو اور میرا سلام کہو اور یہ کہلا بھیجو کہ تمہاری خدمت کر کے آج ہم بہت خوش ہیں اگر تم ناراض نہ ہو تو ہم خود تمہارے پاس آ کر ملیں۔"

یہ بات جب مزنہ نے سُنی تو خود وہ خلیفہ مہدی کی خدمت میں آئی۔ اُس نے سلام کیا اور کہا کہ میں قرابت داری کا حق جان کر یہاں آئی تھی، خدا کا شکر ہے کہ تم نے بھائی چارے کا حق ادا کر دیا۔ اب میرے دل میں

تمہارے خاندان سے کوئی دشمنی نہیں بلکہ محبّت ہے۔ خدا تم کو اچھا بدلہ دے۔"
یہ کہہ کر مزنہ اپنے باغ میں چلی گئی۔ پھر جب تک وہ زندہ رہی اسی خاندان کے ساتھ رہی۔ خلیفہ مہدی اور اس کے لڑکوں نے اس کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ مہدی کے لڑکے خلیفہ ہارون کے زمانہ میں مزنہ کی موت ہوئی۔

پابند شریعت

یہ واقعہ مشہور عرب سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے
ابن بطوطہ سیر کرتا ہوا جب لنکا میں پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے اُسے یہ واقعہ سنایا۔
اس واقعہ میں ہمارے لیے بڑی نصیحت ہے اس لیے ہم اسے نقل کرتے ہیں ابن بطوطہ
اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ :۔

تیس مسلمانوں کا ایک قافلہ لنکا میں سفر کر رہا تھا۔ اس قافلہ کے امیر جناب
شیخ عبداللہ تھے۔ یہ قافلہ ایک جنگل سے گذر رہا تھا۔ قافلے والے جنگل میں
بھٹک گئے۔ جنگل سے باہر نکلنے کا راستہ نہ پاسکے۔ بہت دنوں تک اِدھر سے
اُدھر اور اُدھر سے اِدھر مارے مارے پھرتے رہے۔ ان کے پاس کھانے
پینے کا جو سامان تھا ختم ہو گیا۔ وہ بھوک کے مارے بے چین ہونے لگے۔ ایک
جگہ انہوں نے ہاتھی کا ایک بچّہ دیکھا۔ سب نے اُسے گھیر کر پکڑ لیا۔

قافلہ کے امیر شیخ عبداللہ صاحب نے پوچھا "تم نے اس بچّے کو کیوں
پکڑا ؟" سب نے بتایا کہ ہم بھوک کے مارے بہت پریشان ہیں۔ ہم
اسے ذبح کر کے اس کا گوشت کھائیں گے ؟"

"مگر ہاتھی کا گوشت کھانا تو تمہارے لیے جائز نہیں ہے اور ابھی تم اتنے بھوکے بھی نہیں ہو کہ تمہاری جان پر بنی ہو۔ میرا کہا مانو اسے چھوڑ دو اور اس کا گوشت نہ کھاؤ۔ اللہ پر بھروسہ رکھو، وہ کوئی صورت نکال دے گا۔"

شیخ نے اس طرح سمجھایا لیکن کوئی نہ مانا۔ انہوں نے بچّے کو ذبح کر ڈالا اور اس کا گوشت پکا کر کھا گئے۔ لوگوں نے شیخ سے بھی کھانے کے لیے کہا۔ شیخ نے کھانے سے انکار کر دیا اور جب رات ہوئی تو بھوکے ہی سو رہے۔ لیکن پیٹ خالی تھا۔ بھوک کی وجہ سے وہ زیادہ سو نہ سکے۔ پھر انہیں نیند نہیں آئی وہ پڑے ہوئے کروٹیں بدلا کیے۔ ان کے ساتھی بڑی گہری نیند سو رہے تھے۔ ان کا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے تو۔

آدھی رات کے قریب شیخ کو کچھ ایسا لگا جیسے زمین ہل رہی ہے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر نظر ڈالی۔ دیکھا کہ بہت سے ہاتھیوں نے قافلے والوں کو گھیر لیا ہے۔ کچھ ہاتھی اپنی اپنی سونڈ سے سونے والوں کا منہ سونگھتے ہیں اور پھر اس پر لات رکھ کر دبا دیتے ہیں اور اس طرح قافلے والوں کو ختم کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر شیخ صاحب بہت پریشان ہوئے۔ وہ اللہ سے دُعا کرنے لگے۔

ہاتھیوں کے آجانے سے قافلے کے بہت سے لوگ جاگ اٹھے تھے۔ انہوں نے بھاگنا چاہا لیکن ہاتھیوں نے بھاگنے نہیں دیا۔ اسی عرصے میں ایک ہاتھی شیخ صاحب کے پاس آیا۔ سونڈ بڑھا کر اس نے ان کا منہ سونگھا۔ سونگھ کر سونڈ ہٹالی اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو اس کے ساتھ ایک اور بڑا ہاتھی تھا۔ اس بڑے ہاتھی نے بھی ان کا منہ سونگھا۔ سونگھ کر اس نے بھی

اپنی سونڈ ہٹالی۔

اتنی دیر میں دوسرے ہاتھیوں نے قافلے والوں کو روند کر مار ڈالا تھا۔ اب سارے ہاتھی اس بڑے ہاتھی کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ بڑے ہاتھی نے کچھ دیر کے بعد شیخ کو سونڈ سے پکڑ کر اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا۔ پھر ایک طرف چلا۔ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لیے۔

صبح ہوتے ہوتے بڑے ہاتھی نے شیخ صاحب کو جنگل کے باہر لاکر پیٹھ سے اتارا اور جنگل میں واپس چلا گیا۔ اس کے ساتھ دوسرے ہاتھی بھی چلے گئے۔ شیخ صاحب وہاں سے شہر کی طرف چلے آئے اور وہاں سب کو یہ واقعہ سنایا۔ واقعہ سُنا کر کہا کہ :۔

"شریعت کے حکم ہمارے ہی بھلے کے لیے ہیں۔ جو ان کے مطابق اپنی زندگی گزارے گا وہ اس دنیا میں بھی کامیاب ہوگا اور پھر جب آخرت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوگا تو اللہ اس سے خوش ہوگا۔ خوش ہو کر جنّت دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔"

لوگوں نے شیخ کی بات سنی۔ بولے۔ "آپ نے بہت ٹھیک بات فرمائی۔" اس کے بعد شیخ کو بڑی عزّت کے ساتھ اپنے یہاں ٹھہرا لیا اور ان سے شرعی حکم سیکھے۔" "بہت خوب!"

"بہت خوب!"